Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:11 (1976)

مستشرقین کی تحقیقات پر

تحقیق کی ضرورت

پیر محمد حسن

تحقیق ایک بہت ہی وسیع فن ہے۔ تحقیق جس فن میں بھی ہو قابلِ ستائش ہوا کرتی ہے۔ امت مسلمہ نے اس فن کے مختلف شعبوں میں زمانے اور حالات کے مطابق عظیم خدمات سرانجام دی ہیں۔ جب اہل یورپ نے اپنے گم کردہ وقار اور کھوئے ہوئے عروج کا احساس کیا تو انہوں نے اس کھوئے ہوئے وقار کو صحیح معنوں میں اور صحیح اصُولوں پر پھر سے حاصل کرنے کی ٹھان لی اور اس مقصد کے حصول کیلئے کما حقہ کوشش بھی کی۔ دیکھتے دیکھتے وہ دنیا بھر کے استاد اور رہنما بن گئے اور انہوں نے ہر فن میں دیگر اقوام سے اپنا لوہا منوایا اور ان کے دلوں پر اپنی فوقیت کی دھاک بٹھا دی۔

جب انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ ہر فن اور ہر شعبۂ علم میں ان کی ہر بات حجت مانی جاتی ہے تو انہوں نے علوم شرقیہ کی طرف توجہ دینا شروع کردی اور اس طرح مستشرقین کی ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کی بنیاد رکھنے والوں کی نیّت علوم عربیہ اور علوم اسلامیہ کی خدمت کرنے کی نہ تھی، بلکہ یہ تخریب اسلام مسلمانوں میں الحاد وزندقہ پھیلانے، ان کو شبہات میں ڈالنے اور ان کے عقائد کو بگاڑنے کی غرض سے بنائی گئی تھی۔ اس جماعت میں ابتداء سے لیکر آج تک جتنے لوگ شامل ہوتے رہے وہ سب کے سب عیسائی مشنریوں اور پادریوں کے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے تھے۔ تجربہ کے بعد عیسائیوں پر یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ وہ مذہبی مناظروں کے ذریعے مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے۔ اور نہ ہی مسلمان ان کے مبشرین کے دام تزویر میں آسکتے ہیں۔ سالہا سال کی کوششوں کے باوجود ان کے پادری معدودے چند لوگوں کے سوا کسی کو اپنے مذہب میں نہ لاسکے تھے۔ برصغیر ہند و پاک میں کچھ لوگ ان کے ہتھے چڑھ گئے اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ یہاں کے حکمران تھے۔ ایک پادری کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ سالہا سال ہندوستان میں عیسائیت کا پرچار کرتا رہا۔ جب واپس انگلستان پہنچا تو اس کے ہم مذہبوں نے اس کی کارکردگی کے متعلق اس سے

سوال کیا۔ جب اس نے انہیں بتایا کہ صرف گنتی کے چند لوگ اس کے مذہب میں داخل ہوسکے ہیں تو ان کو بہت مایوسی ہوئی۔ اس پر پادری نے کہا: میں نے ہندوستان میں ایک بہت بڑا کام کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے نہ مسلمان کو مسلمان رہنے دیا ہے اور نہ ہندو کو ہندو۔ مستشرقین کی بھی یہی غرض و غایت تھی کہ تحقیقات کے پردے میں اپنے خیالات کو اس طرح غیر مرئی اور غیر محسوس طور پر اسلام میں گھسیڑ دیں کہ راسخ العلم لوگوں کے سوا کوئی اور سمجھ ہی نہ سکے۔ جیساکہ بیان ہوچکا اہل یورپ کی تحقیقات کا سکہ تو لوگوں کے دلوں پر بیٹھ ہی چکا تھا، لہذا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ تحقیق کے روپ میں جو بات ہم کہیں گے اسے بلاچوں وچرا درست مان لیا جائے گا۔

ان مستشرقین نے تمام علوم اسلامیہ میں دخل دیا اور بعض صورتوں میں ضمناً اور غیر ارادی طور پر وہ ایسا کام سرانجام دے گئے جو آج تک کسی مسلمان سے نہ ہوسکا۔ مثال کے طور پر وینسنگ کی فہرست احادیث جو کئی جلدوں میں تیار ہوئی ہے۔ غیر ارادی طور پر علم حدیث کی بہت بڑی خدمت ہے، اگرچہ وینسنگ اور اس کے رفیق کار لوگوں کا حقیقی مقصد کچھ اور ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ فہارس اسلام میں مین میکھ نکالنے میں ممد ثابت ہونگی۔

اس وقت میرا مقصد یہی ہے کہ میں علماء اسلام کی توجہ ان تحقیقات کی طرف دلاؤں جو ان مستشرقین نے علوم اسلامیہ میں کی ہیں تاکہ وہ ان تحقیقات کی تحقیقات کریں اور جو ریشہ دوانیاں ان لوگوں نے کی ہیں ان کا کھوج لگاکر ان کی نشان دہی کریں۔ علوم اسلامیہ کا کوئی شعبہ نہیں جس میں انہوں نے شرانگیزی نہ کی ہو۔

میں سردست صرف علم لغت کو لوں گا۔ یہ ایسا علم ہے جس میں مذہبی تخریب کا بہت کم احتمال ہے مگر ان مستشرقین نے اس میں بھی اپنی ذہنیت کا پورا ثبوت دیا ہے۔

جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمان مصنفین کی تصنیف کردہ لغت کی کتابیں پرانے طرز پر لکھی گئی ہیں اور ان میں سے الفاظ اور انکے معانی بآسانی تلاش نہیں کئے جاسکتے تو انہوں نے اپنی سہولت کے لئے جدید طرز پر لغت کی کتابیں مرتب کیں۔ چنانچہ پادری ہاوانے الفرائد الدریۃ، لوئس معروف نے المنجد اور سعید الخوری الشرتونی اللبنانی نے اقرب الموارد تالیف کی۔ ان کتابوں میں سے الفاظ اور ان کے معانی کا تلاش کرنا نسبتاً بہت آسان ہے۔ انسان طبعی طور پر سہولت پسند واقع ہوا ہے۔ پھر کیا تھا نہ صرف عیسائی طلبہ اور اساتذہ نے بلکہ مسلمانوں نے بھی ان ہی کتابوں کی طرف رجوع کرنے کو ترجیح دی اور یہ کتابیں لوگوں میں خوب مقبول ہوگئیں یہاں تک کہ مسلمان بھی انہیں بطور حجت پیش کرنے لگ گئے۔ ان سادہ لوح مسلمانوں کو اپنی خامیوں کی وجہ سے کبھی یہ احساس ہی نہ ہوا کہ ان کتابوں میں کیا اور کس طرح زہر چکانی کی گئی ہے

اور ان پادریوں نے کس فن کارانہ طرز میں اپنے مذہبی فریضہ کو سرانجام دیا ہے۔

اب میں یہاں ان مستشرقین کی کتابوں سے مثالیں دے کر واضح کروں گا کہ انہوں نے ان کتابوں میں کس طرح زہر چکانی کی ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید الہامی کتاب اور اللہ کا کلام ہے۔ لہذا یہ کلام بشری کلاموں پر ہر جہت اور ہر لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان لغت نویسوں نے قرآن کے الفاظ، محاورات اور ترکیبوں کو بطور حجت پیش کیا ہے اور انہیں پیش کرنے سے پہلے قولہ تعالیٰ یا قال اللہ تعالیٰ وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں تاکہ مطالعہ کنندہ سمجھ جائے کہ آگے اللہ کا کلام پیش کیا جا رہا ہے۔ مگر ان مستشرقین کی یہی کوشش رہی ہے کہ ان الفاظ وتراکیب کو اس طرح پیش کیا جائے کہ مطالعہ کنندہ یہ سمجھے کہ یہ بھی کسی انسان کا کہا ہوا مقولہ یا محاورہ ہے۔

یہ مستشرق بعض جگہوں پر قرآنی الفاظ رد و بدل کر کے پیش کرتے ہیں اور جو لوگ قرآن کے حافظ یا ماہر نہیں ہوتے وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہاں تحریف بھی ہوئی ہے یا نہیں۔

مثلاً اقرب الموارد میں ج م ل کی ترکیب میں یوں ہے۔

ولا یدخلون الجنۃ حتی یدخل الجمل فی سم الخیاط۔

یہ قرآن مجید، سورۂ اعراف کی چالیسویں آیت ہے اور اصل آیت یوں ہے

وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ

اقرب الموارد کے مؤلف نے "یلج" کی جگہ "یدخل" کا لفظ اپنی طرف سے رکھ کر قرآن میں تحریف کی ہے۔ جو معانی قرآن مجید کے اصل الفاظ ادا کرتے ہیں اگر ان کی جگہ کوئی دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو وہی معانی ہرگز ادا نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ یہاں بادی النظر میں یلج اور یدخل دونوں مترادف الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو دونوں کے معانی میں واضح فرق نظر آئے گا۔ "دخل" کا لفظ عام معنوں میں مستعمل ہے مگر "ولج" میں تنگ جگہ میں داخل ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اسی لئے جنت کی وسعت کے اعتبار سے "یدخلون الجنّۃ" کہا اور "سمّ الخیاط" کی تنگی کو اور "جمل" کی ضخامت کو مدنظر رکھتے ہوئے "یلج" کا لفظ لایا گیا۔ اقرب الموارد کے مؤلف نے اس لفظ کو عمداً بدلا ہے اور ارادۃً تحریف کی ہے۔

اس موقعہ پر یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے کہ اسرائیل والوں نے قرآن مجید کو

محرّف و مبدل کرکے لاکھوں نسخے طبع کرائے اور لوگوں میں تقسیم بھی کئے اور فروخت بھی۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ اس سے دھوکا کھا سکتے ہیں مگر اہل علم اور حفّاظِ قرآن تو فوراً تحریف کو معلوم کرلیتے ہیں۔

مگر ہر جگہ تو الفاظ میں ردو بدل کرنا آسان نہیں ہوتا لہذا یہ مستشرق قرآنی الفاظ و ترکیبات کو پیش تو کردیتے ہیں۔ مگر یہ ظاہر نہیں کرتے کہ یہ قرآن کے الفاظ ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

اقرب الموارد	ترکیب	ھ و ن	ومنه أَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ یہ سورۂ فصلت کی آیت ۱۷ ہے۔
〃	〃	ق ص ص	ومنه فَارْتَدَّا علىٰ آثَارِهِمَا قَصَصاً یہ سورۂ کہف کی آیت ۶۴ ہے
〃	〃	〃	ومنه نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ یہ سورۂ یوسف کی ابتدا میں ہے
〃	〃	ق ب ر	ومنه ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ سورۂ عبس آیت ۲۱
〃	〃	ب ص ر	ومنه عَلىٰ نَفْسِهِ بَصِيْرَةٌ سورۂ القیامہ آیت ۱۴۔ اصل آیت یوں ہے بَلِ الْاِنْسَانُ عَلىٰ نَفْسِهِ بَصِيْرَةٌ وَلَوْ أَلْقىٰ مَعَاذِيْرَهُ
	〃	ظ ن ن	ومنه ظَنُّوْا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ سورۂ توبہ آیت ۱۱۸
〃	〃	س ر ر	أَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً أی خمنوا فی انفسھم ان یجعلوا من بیعه بضاعة

سورۂ یوسف آیت ۱۵ ہے۔ یہاں منه کا لفظ بھی نہیں لایا گیا اور "أسروہ بضاعة" کا ذکر اور اس کی تشریح یوں کی ہے جیسے یہ کوئی عربوں کا محاورہ ہے۔

سعید خوری نے قرآنی آیات پیش کرتے ہوئے کہیں کہیں قرآن کے لفظ کا بھی ذکر کردیا ہے چنانچہ اقرب الموارد ترکیب ن ح ت میں ہے۔

وفی القرآن وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتاً

یہ سورۂ الاعراف کی آیت ۷۴ ہے

ترکیب د س س میں ہے فیقال دَسّٰی کما قیل تَظَنّٰی فی تَظَنَّنَ، وفی القرآن وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۔

سورہ والشمس آیت ۱۰

ترکیب س ر ر میں ہے ویحتملها قول القرآن : وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ

سورۂ السبا آیت ۳۳

مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان آیات کے ساتھ قرآن کا لفظ ذکر کرنے سے اس کی مراد وہی نہیں جو ایک مسلمان کی ہوا کرتی ہے ۔ قول کی نسبت قائل کی طرف کی جاتی ہے نہ کہ کتاب کی طرف ۔ اسی لئے تو مسلمان قرآن مجید کے الفاظ پیش کرنے سے پہلے قال اللہ کہتے ہیں مگر چونکہ عیسائی مصنّفین قرآن کو کلام الٰہی تسلیم ہی نہیں کرتے لہذا وہ عمداً "قول القرآن" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک قرآن بھی دیگر تالیفات کی طرح ایک انسانی تالیف ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محیط المحیط کے مؤلف نے ابو القاسم الحریری کی عبارتوں کو جا بجا بطور حجت پیش کرتے ہوئے "قول الحریری" کے الفاظ استعمال کئے ہیں ۔

مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ آتا ہے ۔ ان مستشرقین نے یہاں بھی اپنی ذہنیت کا پورا ثبوت دیا ہے اور پادری ہونے کا حق ادا کیا ہے ۔ مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

پادری ہاوا الفرائد الدریۃ ترکیب ع ن و میں لکھتا ہے :

العَوَانِي MUSLIM WOMEN, CAPTIVE WOMEN

حالانکہ عوانی کے معنی عام ہیں یعنی اسیر عورتیں خواہ ان کا کسی مذہب سے تعلق ہو ۔ مگر ان معنوں سے ہاوا کی کب تشفی ہو سکتی تھی ۔ اس کی تشفی تو اسی صورت میں ہو سکتی تھی جب اس لفظ میں ایسے معنی ڈالے جائیں جن سے برا تاثر پیدا ہو ۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہاوا نے اس لفظ میں "مسلمان عورتوں" کے معنی کیوں اور کیسے ڈالے ۔

عوان کا لفظ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے ۔ الفائق جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ پر ہے ۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ

(اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ تمہارے (نکاح کی) قید میں آچکی ہوتی ہیں)

یہی حدیث تھوڑے سے تغیرّ کے ساتھ سنن ابن ماجہ باب النکاح میں زیادہ واضح الفاظ میں مروی ہے :

إستوصُوا بالنساء خيرا فإنهن عند كم عوَانٍ . ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك

اپنی عورتوں سے نیک برتاؤ کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے نکاح کی قید میں آچکی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں کو اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ نکاح کی وجہ سے تم جس چیز کے مالک ہوئے ہو صرف وہی چیز تمہاری ہے۔ تم ان کی کسی اور چیز کے مالک نہیں ہو۔

چونکہ اس حدیث میں مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے پھر اس میں عوانی کا لفظ بھی آگیا لہذا ہاوا کو بہانہ ہاتھ آگیا اور اس نے اس لفظ کے "مسلمان عورتوں" کے معنی کر ڈالے تاکہ اس سے برا تاثر پیدا کیا جا سکے اور ضعیف الاعتقاد اور مغرب زدہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کیا جا سکے۔

ج ن ب کی ترکیب میں لکھتا ہے

جُنُب (POLLUTED MUSLIM)

(ناپاک مسلمان)

• حالانکہ اسی ہاوا کے دیگر ہم مذہب مصنّفین نے اس کے معنی مَن اَصَابَته جَنا بةً کئے ہیں۔ (جسے جنابت لاحق ہوگئی ہو) اور یہ ایک عام مفہوم ہے جو مسلم اور غیر مسلم دونوں پر بولا جا سکتا ہے۔

ہاوا نے اُھل الصفۃ کے معنی یوں کئے ہیں :

HOUSELESS PEOPLE: VAGRANTS

بے خان و مان اور آوارہ لوگ

اگر ہاوا صرف HOUSELESS PEOPLE لکھتا تو کسی حد تک مفہوم کے اعتبار سے درست ہوتا اور کوئی قابل اعتراض بات نہ سمجھی جاتی مگر چونکہ اس میں شر کا پہلو غالب دکھانا ہے لہذا ساتھ VAGRANTS بھی لکھ دیا۔

اھل الصفہ کے معنی ہیں وہ لوگ جو صفۂ مسجد یعنی مسجد کے چبوترے میں رہائش پذیر تھے۔ ان لوگوں کا کوئی اپنا گھر بار نہ تھا۔ یہ لوگ نہ تو آوارہ گرد تھے اور نہ گداگر۔ انہوں نے دین کی خاطر اپنی زندگیوں کو وقف

کر رکھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے اور انہیں واجب تعظیم سمجھا جاتا تھا۔ ہاوا نے ان کے متعلق ناروا الفاظ استعمال کرکے اپنی سرشت بد کو تسکین دینا چاہی ہے۔

اب آئیں لوئس معروف کی المنجد کی طرف وہ ترکیب ط ل ق میں لکھتا ہے

الطُّلَقَاء : الذین اُدْخِلُوا فی الإسلام کرهاً

(طلقاء وہ ہیں جنہیں جبراً اسلام میں داخل کیا گیا)

لوئس معروف کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے چنانچہ یہ لوگ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جنہیں جبراً مسلمان بنایا گیا۔

لفظ طلقاء ایک تاریخی لفظ ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا اور قریشِ مکہ نے ہتھیار ڈال دیئے تو وہ شکست خوردہ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مجرم پیش ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر بھر اذیت پہنچائی تھی، مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، آپکی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا اور آپؐ کو قتل کرنے تک کا منصوبہ بنالیا تھا۔ آپؐ کے صحابہ کو اذیّت دی تھی اور آخر وقت تک اسی بات میں کوشاں رہے تھے کہ آپؐ کو نیچا دکھا کر آپکو اور آپ کے دین کو ختم کردیا جائے۔ اور اب وہی لوگ آپ کے سامنے بطور مجرم پیش ہوتے ہیں تو آپؐ ان سے پوچھتے ہیں:

تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا برتاؤ کرنے والا ہوں۔

ان لوگوں نے جواب میں کہا :-

آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کی اولاد ہیں

اس پر رحمتِ دو عالم نے فرمایا، میں وہی الفاظ کہوں گا جو میرے بھائی یوسف نے کہے تھے :

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الیوم ؛ إِذْهَبُوا أَنتم الطُّلَقَاء

تمہیں کسی قسم کی سرزنش نہ کی جائے گی۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اس کے بعد انہوں نے بطیبِ خاطر اسلام قبول کیا اور فتح طائف اور حُنَین میں شرکت کی۔ طلقاء کا لفظ چونکہ ان کے حق میں ایک باعزّت لفظ تھا ان کے نام کے ساتھ وابستہ ہوگیا اور انہیں اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ بعینہٖ اسی طرح فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف فتح کیا اور قوم

ثقیف کو معاف کردیا تو انہیں عُتَقَاء کا لقب دیا گیا اور یہ نام ان کے لئے مخصوص ہوگیا۔

طلقاء جمع ہے طلیق کی اور لوئس معروف نے خود بھی اسکے معنی غیر المقید (جو کسی کی قید میں نہ ہو آزاد ہو) دیئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہیں آزاد کا لقب دیا مگر لوئس معروف نے لغوی معنوں سے انحراف کرتے ہوئے اس میں اپنے معنی ڈالے ہیں اور اس طرح ایک گونہ مذہبی فریضہ ادا کیا ہے۔

مسند احمد (۳: ۲۸۰) میں ہے:

عن أنس بن مالك قال لما كان يوم حنين وجمعت هوازن وغطفان للنبي صلى الله عليه وسلم جمعاً كثيرا والنبي صلى الله عليه وسلم يومئذ في عشرة آلاف او أكثر من عشرة آلاف، قال: ومعه الطلقاء......... فأعطى النبي صلى الله عليه وسلم الطلقاء، وقسم فيهم الخ

انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب حنین کی جنگ ہوئی تو ہوازن اور غطفان کے قبیلوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت سی جمعیت اکٹھی کرلی۔ اس جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار یا دس ہزار سے زائد لوگ تھے۔ طلقاء بھی آپ کے ساتھ تھے..... اس کے بعد آپ نے طلقاء کو مال غنیمت دیا اور ان میں تقسیم کیا۔

نیز مسند احمد (۴: ۳۶۳) میں ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

المهاجرون والأنصار أولياء بعضهم لبعض والطلقاء من قريش والعتقاء بعضهم اولياء بعض إلى يوم القيٰمة۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے ولی ہیں اور قریش کے طلقاء اور ثقیف کے عتقاء قیامت تک ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ مہاجرین اور انصار کا شمار سابقین اولین میں ہے اور طلقاء اور عتقاء کا شمار ان لوگوں میں ہے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور یہ عین حکم خداوندی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والأنصار الآيه

(سورۂ توبہ آیت ۱۰۰)

اور لا يستوى مَن أنفق قبل الفتح وقاتل اولئك أعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا (سورۂ الحدید آیت ۱۰)

(جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جنگیں لڑیں وہ اور جن لوگوں نے بعد میں مال خرچ کیا اور جنگیں لڑیں یکساں نہیں ہیں) فتح سے پہلے خرچ کرنے والوں کا درجہ بعد میں خرچ کرنے والوں سے بڑا ہے مگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کی غرض سے طلقاء اور عتقاء کو فتح حنین کے بعد بہت سا مال دیا جس سے انصار کبیدہ خاطر ہوئے اور بعض کی زبان پر یہ الفاظ آئے کہ جنگ میں مصیبت کے وقت تو ہمیں پکارا جاتا ہے مگر فتح کے بعد مال غنیمت طلقاء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے تو آپ نے انصار کو بلا کر کہا: یہ کیا الفاظ ہیں جو مجھ تک پہنچے ہیں۔ انصار نے معذرت چاہتے ہوئے عرض کیا: ہم میں سے کسی بیوقوف نے ایسا کہا ہوگا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے قوم انصار! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ تو مال و دولت لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور انہوں نے معافی کی درخواست کی۔

اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ طلقاء نہ تو جبراً اسلام میں داخل ہوئے تھے اور نہ اسلام لے آنے میں انہوں نے ہچکچاہٹ ظاہر کی تھی بلکہ صدق دل سے جہاد میں شریک ہوئے تھے اور یہی حال عتقاء کا تھا۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ لوئس معروف نے عتقاء کے لفظ کو کیوں یوں ہی چھوڑ دیا اور اس میں اپنے منشا اور ذہنیت کے مطابق کیوں معنی نہیں ڈھالے۔ اس کی غالباً وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اسے کوئی مفیدِ مطلب معنی سجھائی ہی نہیں دیئے ورنہ وہ عتقاء کے لفظ کو یونہی نہ چھوڑ دیتا۔

منجد ترکیب دق ل میں اور اسی طرح اقرب الموارد میں ہے:

أنت أطول من الدقل وأنت تنثر كلامك نثر الدّقل

منجد میں یہ ساری عبارت خطوط وحدانی میں دی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف نے اسے ایک کلام اور ایک جملہ تصوّر کرلیا ہے۔ حالانکہ یہ دو الگ الگ جملے ہیں اور دونوں میں دقل کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ صرف پہلا جملہ بطور مثل استعمال ہوسکتا ہے اور یوں کہہ سکتے ہیں فلان أطول من الدقل (فلاں جہاز کے کھمبے سے بھی دراز تر ہے) رہا دوسرا جملہ تو وہ کوئی عام محاورہ نہیں۔ درحقیقت یہ الفاظ حدیث میں مخصوص معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ حدیث

یوں ہے :

إن من امتی قوماً يقرأون القرآن ينثرونه نثر الدقل يتأولونه على غير تأويله

میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن اس طرح پڑھیں گے جیسے کھجوریں جھاڑی جاتی ہیں اور اس کی الٹی تاویلیں کریں گے ۔

اس حدیث کو ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورۂ آل عمران کی آیت هو الذی أنزل عليك الكتاب کے تحت روایت کیا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے اقتباس کرتے ہوئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا ہے :

أنثراً كنثر الدقل و هذاً كهذّ الشعر

کیا تم کھجوریں جھاڑ رہے ہو یا کیا شعروں کو فر فر پڑھے جا رہے ہو (حالانکہ یہ تو قرآن ہے جسے ترتیل سے پڑھنا چاہیئے)

اس حدیث کی روایت مسند احمد جلد اول صفحہ ۴۱۷ ، ۴۱۸ ، ۴۲۷ پر کی گئی ہے ۔ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ یہ کوئی عام محاورہ نہیں کہ اسے ہر قسم کے کلام کے لئے استعمال کیا جاسکے ۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بہت سے ایسے کلمات وتراکیب نکلیں جنہیں آپ سے پہلے کسی نے استعمال نہ کیا تھا ۔ ان میں سے بہت سی ترکیبیں مَثَل بن گئیں اور بعد میں آنے والوں نے انہیں استعمال کیا ۔ مثلاً لا ينتطح فيه عنزان ، افرخ روعك وغیرہ ۔ اور بہت سی ترکیبیں اور تشبیہات ایسے مخصوص انداز میں فرمائیں کہ ان میں کوئی بھی آپ کا تتبع نہ کرسکا ۔ اسی طرح یہاں نثر الدقل کی تشبیہ ایک نئی تشبیہ ہے اور اس سے مخصوص معنی ادا ہوتے ہیں ۔ منجد اور اقرب الموارد کے مصنف یہ کب گوارا کرسکتے ہیں کہ ان الفاظ کو حدیث کہا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افصح العرب ہونے کا ثبوت مل جائے ۔

منجد ترکیب ن ش ب میں ہے : يقال تناشبوا حول الرّسول

یہ سارا جملہ کوئی عام محاورہ نہیں ہے کہ آج بھی کوئی تناشبوا حول الرسول بول سکے ۔ درحقیقت یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمائے تھے ۔ غزوۂ حُنین میں پہلے مسلمانوں کو وقتی

طور پر شکست ہوگئی تھی اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تھا۔حضرت عباس بہت بلند آواز تھے۔انہوں نے صحابہ کو واپس آنے کے لئے پکارا۔چنانچہ صحابہ واپس آگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے میں لیکر آپ کو محفوظ کرلیا۔اس واقعہ کے متعلق حضرت عباسؓ نے یہ الفاظ کہے تھے۔مصنّف منجد کو تو ضد اس بات سے ہے کہ ان الفاظ کو حدیث کے الفاظ کہا جائے۔

عیسائیوں کی تصنیف کردہ لغت کی کتابوں میں اس قسم کے بیشمار الفاظ وتراکیب ہیں جنہیں اول تو بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے یا اگر انہیں بگاڑا نہیں تو انہیں ان کے حقیقی استعمال اور مفہوم سے ہٹا کر پیش کیا گیا ہے۔جب لغت جیسے فن میں جہاں شرانگیزی کا بہت کم احتمال ہے۔ ان کا یہ حال ہے تو دیگر علوم و فنون میں تو وہ بڑی عیاری اور چالاکی کے ساتھ حقائق اور واقعات کو بگاڑ کر پیش کرسکتے ہیں۔راقم حروف کا اس وقت صرف یہ مقصد ہے کہ اہل علم کی توجہ ان لوگوں کی تدلیسات کی طرف دلاؤں تاکہ وہ ان کی تمام شرانگیزیوں کا کھوج لگا کر عامۃ المسلمین کو آگاہ کریں تاکہ وہ صحیح صورتِ حال سے واقف ہوجائیں۔